صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم

(بطور پنجابی شاعر)

واصف لطیف، لیکچرر شعبۂ پنجابی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Sufi Ghulam Mustafa Tabassum was a towering personality of his era. He was a poet, educationist, translator and teacher - all at the same time. He not only did poetry in Punjabi, Urdu and Persian, but also translated poetry from these languages. In this article his poetry will be analyzed. His poetry contains the traditions of Punjabi as well as Persian. His greatest contribution in Punjabi poetry is his war poetry, which was written in the context of 1965 war and is still popular among masses.

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم اپنے عہد کی قد آور شخصیت تھے۔ انہوں نے علم و ادب کے میدان میں جو کار ہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں بلکہ ان کا کیا گیا کام ہمارے لئے ادبی ورثہ اور اثاثہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ عظیم شاعر، ماہر تعلیم، نقاد، مترجم اور شارح تھے۔ ویسے تو علم و ادب کی دنیا میں ان کا اپنا ایک منفرد مقام تھا مگر بطور شاعر ہی دیکھا جائے تو وہ ہمعصر شعرا سے ممتاز مقام پر فائز تھے۔ وہ بیک وقت فارسی، اردو اور پنجابی زبان کے منجھے ہوئے شاعر تھے۔ صوفی تبسم جیسی کثیر الجہاتی شخصیت کے فن پر مجموعی نظر ڈالنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ذیل میں ان کو بطور شاعر اور شاعری میں بھی صرف پنجابی شاعری کو ہی موضوعِ بحث بنایا جائے گا۔ کیونکہ صوفی صاحب تو فارسی، اردو اور پنجابی شاعری میں بیک وقت ایک سی قابلیت رکھتے تھے۔ صوفی احب کا ایک مجموعۂ کلام ان کی زندگی میں شائع ہوا تھا جس کا نام ''انجمن'' تھا اور اس میں فارسی، اردو اور پنجابی کلام یکجا تھا۔ بعد ازاں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ نے ان کا صرف پنجابی کلام ایک مجموعہ کی صورت میں ''نظراں کردیاں گلاں'' کے نام سے شائع کیا۔ جس کے دیباچے (پہلی گل) میں ان کے بڑے بیٹے صوفی گلزار نے کہا ہے کہ:

> ''ایہہ کلام 'نظراں کردیاں گلاں' اوہ اے جیہڑا صوفی صاحب دی زندگی وچ شائع نہ ہوسکیا تے صوفی صاحب دے عقیدت منداں تیکر نہ پہنچ سکیا۔ ایس پاروں ایہہ ناچیز کوشش سی کہ میں اوہناں دا سارا پنجابی کلام چھپوا کے صوفی صاحب دے عقیدت منداں تیکر پہنچا دیاں''۔[۱]

صوفی صاحب کے پنجابی کلام میں نعتیں، نظمیں، گیت، دوہڑے، غزلیں، رباعیات، تراجم، جنگی ترانے اور ملی نغمے شامل ہیں۔صوفی تبسم کی پنجابی شاعری کا جو مقام ہے وہ کسی طور بھی پنجابی کے دیگر شعرا سے کم نہیں صوفی گلزار لکھتے ہیں:

''صوفی صاحب مرحوم فارسی تے اردو دے ای مشہور شاعر نہیں سن سگوں اوہ پنجابی دے وی مشہور شاعر سن۔ وڈے پنجابی شاعر وی اوہناں دی پنجابی شاعری دا لوہا مندے سن تے اوہناں نوں اپنا استاد من کے اوہناں نوں پنجابی شاعری تے پنجابی ادب وچ اک اُچا مقام دیندے سن''۔[۲]

صوفی صاحب کے پنجابی کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو کئی ایک جہتیں ابھرتی ہیں۔ وہ بنیادی طور پر احساسات اور جذبات کے شاعر ہیں اور احساس و جذبات کو فطری انداز میں بیان کرنے کے ماہر ہیں جس سے ہر پنجابی یہی خیال کرتا ہے کہ گویا صوفی صاحب تو اسی کے ہی دل کی بات کہہ رہے ہوں:

کیا سوہنے شام سویرے سن، کنیاں سوہنیاں دن تے راتاں سن
نظراں نال نظراں ہسدیاں سن، اتے دل دیاں دل نال باتاں سن
سانوں گلاں کردیاں تک تک کے، تاریاں دیاں نظراں بھوں گئیاں
ایہہ گلاں کدے نہیں مکنیاں سن، اسیں جاگدے رہے اوہ سَوں گئیاں

(نظراں کردیاں گلاں، ص: ۲۷)[۳]

یادیں ہمیشہ انسانی زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں کسی کے ساتھ گزرا اچھا وقت ہمیشہ انسان کی زندگی کو مسرور رکھتا ہے لیکن ناخوشگوار یادیں اور نامساعد حالات ولمحات انسانی زندگی کے لئے روگ بن کر رہ جاتے ہیں اور تلخ یادیں انسان کی آئندہ زندگی کو بھی تلخ بنا دیتی ہیں۔ بلاشبہ گوشت پوست کا بنا انسان فانی ہے مگر اچھا میل جول اور غیر معمولی رہن سہن اسے لافانی بنا دیتا ہے۔ ایسا انسان کبھی نہیں مرتا بلکہ یادِ ماضی بن کر ہمیشہ ہر کسی کے دل میں زندہ و جاوید رہتا ہے۔موت بھی ایسے انسان کو فنا نہیں کرسکتی کیونکہ ایسا انسان ابدی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔صوفی صاحب کی نظم ''کسے دی یاد'' کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

پر ویکھ اس ڈھیری وچوں بھی، اجے یاد تیری پئی تکدی اے
تینوں موت نے میتھوں کھوہ لیتا، ایس یاد نوں کھوہ نہیں سکدی اے

(نظراں کردیاں گلاں، ص: ۲۷)

صوفی صاحب کی نظم ''نواں سال'' ہر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل اور چیلنجز کے ساتھ خندہ پیشانی سے نمٹنے کا درس دیتی ہے۔ جہاں نئے آنے والے سال سے انسان بہت سی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہوتا ہے وہیں صوفی صاحب اس نئے سال کی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے بھی آگاہ کرتے دکھائی دیتے ہیں:

میں تے ایہہ ای جاننا آں صوفیؔ

نواں سال نویں کماں دی
نویں فرضاں دی
نویں بھاراں دی
لے آیا اک پنڈ

(نظراں کردیاں گلاں، ص: ۳۳)

صوفی صاحب پنجابی شاعری میں بندے کو متحرک رہنے، ثابت قدمی سے زندگی گزارنے اور ہر طرح کی مصیبت جان پر جھیلنے کا درس دیتے ہیں۔ وہ جستجوئے مسلسل کے خواہاں ہیں:

کیہ ہویا جے منزل آ گئی
تسی کیوں آن کھلو گئے
راہیاں دی تے ریت اے ایہو
راہواں توں کیہ ڈرنا
منزل آوے یا نہ آوے
ہر دم پینڈے کرنا

(نظراں کردیاں گلاں، ص: ۴۱)

صوفی صاحب سادہ طبیعت کے مالک، غریب و مظلوم طبقے کے نمائندہ اور دردِ دل رکھنے والے عام انسان تھے۔ انہوں نے ساری زندگی کبھی کسی پر اپنی شخصیت کا رعب نہیں جمایا۔ آپ بچوں سے حد درجہ محبت کرتے تھے۔ وہ معمولی ملازموں کو بھی اپنے برابر کے درجے کا انسان گردانتے اور عزت بخشتے تھے۔ اپنی نظم ''جاگ پیا مزدور'' میں استحصال زدہ طبقے کی نمائندگی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

کنے پسینے آئے تے سکے
محنت دے پر دام نہ چکے
محنت کش مزدور بچارا
حق منگن توں وی شرمایا
پر کسے نے ترس نہ کھایا
ایس گل دا وی مُل نہ پایا
کناں سی مجبور

(نظراں کردیاں گلاں، ص: ۴۰)

ایک نظم ''انسان'' میں حضرت انسان کو اس کا کھویا ہوا وقار بحال کروانے کا درس دینے کے ساتھ ساتھ اس کا ''اشرف المخلوقات'' ہونا بھی یاد کرواتے دکھائی دیتے ہیں:

سِر تے بار امانت دے چُکنے دا، وعدہ کر بیٹھا تے ہن چُکدا نہیں
داغ بندگی دا متھے لگ گیا ہُن پیا لُکاوندا اے لُکدا نہیں
سجدہ کیتا سی کدی فرشتیاں نے، ہُن کوئی ایہدے اگے جھُکدا نہیں
اک جرم کر کے گِلّا ہو گیا سی، اجے تیک دامن ایہدا سُکدا نہیں

(نظراں کردیاں گلاں،ص: ۴۵)

دوہڑا پنجابی زبان کی مقبول صنف ہے۔ پنجابی کے پہلے باقاعدہ شاعر بابا فرید الدین مسعود کا کلام دوہڑے کی شکل میں ملتا ہے جسے شلوک بھی کہتے ہیں۔ اس سے قبل سنسکرت اور ہندی زبانوں میں بھی دوہڑے یا دوہے لکھے گئے۔صوفی صاحب نے دوہڑے کی صنف میں طبع آزمائی کی۔ دوہڑے میں موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔صوفی صاحب نے اپنے دوہڑوں میں مختلف موضوعات بیان کیے ہیں۔ہجر اور وچھوڑا ہمیشہ سے ہی دوہڑے کا خاص مضمون رہا ہے۔ ملاحظہ ہوصوفی صاحب کا ہجر وفراق کی کیفیت کا نمائندہ دوہڑا:

جد توں یار نوں ودیا کیتا، مینوں کِتے نہ ملدی ڈھوئی
لوکی باہر پردیسی ہوون، میں گھر پردیسن ہوئی

(نظراں کردیاں گلاں،ص: ۶۴)

عشق مجازی ہو یا حقیقی پنجابی شاعری کا خاص موضوع ہے۔عشق کے موضوع پر مختلف نظموں میں بڑے ہی خوبصورت انداز کے ساتھ روشنی ڈالی ہے:

ایس عشق نمانے دے دھاگے دیاں، کجھ ایڈ اولّڑیاں گنجھلاں سن
کجھ کھولدے کھولدے ہور پئیاں، کجھ پینڈیاں پینڈیاں کھل گئیاں

(نظراں کردیاں گلاں،ص: ۷۱)

صوفی صاحب نے اپنی شاعری میں حکمت ومعرفت کی باتیں بھی کی ہیں۔ وہ حقیقتِ کُل کو پہچاننے کے لئے اور قلبی وسعت و گہرائی پانے کے لئے فقر کی دولت حاصل کرنے کا درس دیتے ہیں۔ان کے نزدیک اصل دولت فقر کی دولت ہے جس سے ہر انسان کو مالا مال ہونا چاہیے:

نہ اوہ پاک نگاہاں باقی، نہ اوہ پاک ضمیری
جگ وچ خالی صوفی رہ گئے رخصت ہوئی فقیری
اللہ کولوں منگ اوئے بندیا قلب نظر دی بھکھیا
دُنیا دے وچ مِل نہیں سکدی ، باجھوں فقر امیری

(نظراں کردیاں گلاں،ص: ۶۶)

صوفی صاحب نے پنجابی گیت بھی لکھے ہیں جو بالکل پنجابی شاعری کے مزاج کے موافق ہیں۔ گیت کو مزاجاً طبعًا کیسا ہونا چاہیے۔ڈاکٹر نوید شہزاد اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''شدیدتے پُر جوش جذبے دا مترنم اکھراں راہیں اظہار کیتا جاوے تاں گیت بندا اے۔ اظہار ویلے شعوری سطح تے تخلیق کار مترنم لفظاں نوں نہیں لبھدا بلکہ ایہہ اکھر آپوں جذبے دے اظہار دا روپ دھار لیندے نیں۔ گیت دا گھیرا اینا گو کھلا ڈُلھا اے کہ حیاتی دا کوئی انگ تے کوئی رنگ ایہو جیہا نہیں جیہڑا ایہناں وچ نہ نظر ے۔ ایہہ انسان دے جمن توں لے کے مرن تک دی تفسیر تے مورت نیں''[۴]

صوفی صاحب کے گیتوں میں جابجا برہا اور جدائی کی تڑپ، انتظار کی کیفیت اور محبوب کے واپس لوٹ آنے کی شدید حسرت و یاس کو موضوع بنایا گیا ہے:

لگے　آون　جاون　راہی
تُو　وی　آجا　ڈھولن　ماہی
تینوں　سبھ　اڈیکن　پئیاں
پپلاں　تے　پینگھاں　پئیاں

(نظراں کردیاں گلاں، ص:۵۲،۵۳)

''نظراں کردیاں گلاں'' میں شامل صوفی صاحب کی غزلوں کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو ان پر فارسی ادب کی چھاپ نظر آتی ہے۔ ویسے بھی جس زمانے میں صوفی صاحب نے شاعری کی تھی تب پنجابی غزل ابتدائی منزلیں طے کر رہی تھی اور پنجابی غزل پر اُردو غزل کی طرح فارسی ادب کے اثرات غالب تھے۔ فارسی زبان و ادب پر صوفی صاحب کی دسترس تھی۔ شاید اسی لئے فارسی رنگ ان کی غزل میں نمایاں ہے۔ عشق و محبت، عاشق و محبوب، گل و بلبل، حسن و جمال، جدائی کی کسک، تڑپ اور غم کی شدت آپ کی غزل میں غالب نظر آتے ہیں:

ساڈے عشق دے چمکدے لیکھاں تے، ڈاڈھے غم دیاں سیاہیاں ڈُلھ گئیاں
جیہڑیاں حُسن ترے چمکائیاں سن، اوہ چاننیاں راتاں رُل گئیاں

(نظراں کردیاں گلاں، ص:۷۱)

زندگی کو کامیاب طریقے سے گزارنے کا درس اور پریشانی، غم اور فکر کو پس پشت رکھنے کا سلیقہ ایک چھوٹے سے شعر میں سمجھا دیتے ہیں لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ صوفی تبسم رجائیت پسند شاعر ہیں۔ وہ کبھی بھی کسی بھی طرح کی کیفیت سے دوچار ہوں، مایوس نہیں ہوتے:

دل　روئے　تے　وانگ　تبسم
ہسدے　جاؤ　تے　ہسدے　جاؤ

(نظراں کردیاں گلاں، ص:۸۳)

صوفی صاحب نے نبی کریم ﷺ کی شان میں نعتیہ اشعار لکھ کر آپ ﷺ سے اپنی عقیدت اور وابستگی کا والہانہ اظہار کیا ہے:

بھانویں کِنّا گناہگار ہووے
ایہہ تبسم ہے ادنیٰ غلام تیرا

(نظراں کردیاں گلاں، ص: ۱۹)

آپ نے قرآن مجید کی دوسورتوں ''الفاتحہ'' اور ''القارعہ'' کو پنجابی ترجمے میں ڈھالا ہے مگر سورتوں کا پنجابی نظم میں کیا گیا ترجمہ یوں دکھائی پڑتا ہے گویا وہ مکمل ترجمہ نہیں بلکہ صرف مفہوم ہی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صوفی صاحب نے اردو، انگریزی اور فارسی شعرا کے منتخب کلام کو پنجابی الفاظ کا بانا پہنایا جس سے پنجابی زبان کی امیرتا میں اضافہ ہوا ہے۔ علامہ اقبال، مرزا غالب ، شیلے اور ورڈز ورتھ کے کلام کے پنجابی تراجم آپ کے مجموعہ کلام ''نظراں کردیاں گلاں'' میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ پنجابی اشعار ہیں جو ڈاکٹر نثار احمد قریشی کی کتاب ''صوفی غلام مصطفیٰ تبسم حیات وخدمات'' ضمیمہ ''ز''[۵] میں شامل ہیں۔

صوفی تبسم کی شاعری کا ایک اور اہم ،منفرد اور نمایاں پہلو آپ کے ملی نغمے اور جنگی ترانے ہیں جو آپ کی وطن پرستی کا مونہہ بولتا ثبوت ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے حوالے سے تخلیق کیے گئے نغمے ایسے ہیں جو ایک ایک نغمہ پورے پورے مضمون کا تقاضا کرتا ہے۔ صوفی گلزار اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''چھیکڑے پنجابی دے قومی ترانے جمع کر دتے نیں جیہڑے سن ۱۹۶۵ء دی جنگ وچ صوفی صاحب نے دن رات ریڈیو پاکستان لاہور وچ بیٹھ کے لکھے اتے اوہناں نوں ملکۂ ترنم نور جہاں نے خوب جذبے نال گایا ایتھوں تیکر کہ قوم وچ زندگی دی اک نویں لہر دوڑا دتی تے اوہ اپنا تن، من، دھن سبھ کجھ اپنے ملک توں قربان کرن لئی اُٹھ کھڑے ہوئے''۔[۶]

ان نغموں کی خاص بات یہ تھی کہ جنگ کے موقع پر فی البدیہہ نغمہ لکھا جاتا، دُھن کمپوز ہوتی اور اسی وقت براہِ راست ریڈیو سے نشر کر دیا جاتا۔ ان کے نغموں میں وطن کی بے پناہ محبت، دھرتی کی مٹی کی بُو اور وطن پر مر مٹنے کا جذبہ تقریباً پچاس سال گزر جانے کے بعد آج بھی ویسا ہی تر و تازہ ہے جیسا اُس محاذ پر ڈٹے فوجی جوانوں کے لئے تھا۔ ان نغموں میں ایک ایسی تازگی اور سرور ہے جس سے اس وقت اور آج بھی وطن پر جان قربان کرنے اور فدا ہونے کو جی چاہتا ہے۔ صرف ایک نغمہ ''ایہہ پُتر ہٹاں تے نہیں وکدے'' جو گذشتہ پچاس سالوں سے کانوں میں رس گھول رہا ہے اور دلوں کو گرما رہا ہے کا آخری حصہ ملاحظہ ہو:

دھن بھاگ نیں اوہناں مانواں دے　　جیہناں مانواں دے ایہہ جائے نیں
دھن بھاگ نیں بھین بھراواں دے　　جیہناں گودیاں ویر کھِڈائے نیں
ایہہ مان نیں ماناں والیاں دے　　نہیں ایس دی تینوں سار کُڑے
ایہہ پُتر ہٹاں تے نہیں وکدے
کیہ لبھنی ایں وچ بازار کُڑے

(نظراں کردیاں گلاں، ص: ۱۴۰)

اس کے علاوہ بھی صوفی صاحب کے مقبول عام قومی نغمے اور جنگی ترانے ہیں جو معیار کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ شاید ہی اس قسم کے پُر جوش اور سدا بہار نغمے دوبارہ تخلیق ہوسکیں مثلاً ''میریا ڈھول سپاہیا تینوں رب دیاں رکھاں''، ''کیہا مٹھا مٹھا لگنا ایں وے سپاہیا''، ''میرے ویرتے سایہ رب دا''، ''ماہی چھیل چھبیلا ہائے نی کرنیل، نی جرنیل نی''، ''میرا سوہنا شہر قصور نی'' وغیرہ۔

مختصر یہ کہ صوفی صاحب گو کہ فارسی اور اُردو کے شاعر تھے لیکن انہوں نے پنجابی زبان و ادب کے لئے اپنی خدمات سرانجام دے کے ماں بولی اور دھرتی ماں پر احسان کیا ہے۔ ان کی پنجابی زبان و ادب کے لئے خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان کی وفات پر انگریزی اخبار ''پاکستان ٹائمز'' نے ان کی پنجابی خدمات کے بارے میں لکھا تھا کہ:

"In the latter part of his life, Sufi Tabassum devoted a lot of his time to writing Punjabi Poetry. He in fact led the movement to resurrect the punjabi literature and restore to it a place of respect".[۷]

حوالہ جات:

۱۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، نظراں کردیاں گلاں، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۲

۲۔ ایضاً، ص: ۱۱

۳۔ نوٹ: اس مضمون میں حوالہ کے طور پر شامل شاعری صوفی تبسم کے پنجابی مجموعۂ کلام ''نظراں کردیاں گلاں'' مطبوعہ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۸۸ء سے لی گئی ہے۔

۴۔ نوید شہزاد، ڈاکٹر، گیت دے معنی تے مفہوم، مشمولہ: کھوج، شمارہ ۶۴، شعبۂ پنجابی، لاہور: پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۲۱

۵۔ نثار احمد قریشی، ڈاکٹر، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم حیات و خدمات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص: ۴۰۶

۶۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، نظراں کردیاں گلاں، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۳

۷۔ نثار احمد قریشی، ڈاکٹر، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم حیات و خدمات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص: ۵۸

II